اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے حقوق

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

فہرست

حرفے چند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ عجیب بات ہے کہ جن ملکوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں کی اکثریت ان کے حقوق کو غصب کرنے اور ان کی تہذیب کو مٹانے میں مصروف ہے۔ جبکہ جہاں کہیں مسلم حکومتیں ہیں اقلیتیں نہایت امن وامان کے ساتھ زندگی گزار رہی ہیں — یہ اس لیے ہے کہ اسلام نے غیر مسلموں کے حقوق کے سلسلے میں واضح ضابطہ دیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسجد کے حالیہ (۶ دسمبر ۹۲ء) سانحے نے سیکولرزم کی بنیادیں ہلادی ہیں اور دستور وعدلیہ کی جو بے حرمتی کی ہے اس کی مثال مشکل ہی سے مل سکے گی —— لیکن اِس سلسلے میں بعض مسلمانوں کی طرف سے جس رویّے کا مظاہرہ ہوا، وہ بہرحال افسوس ناک ہے۔ سچ پوچھیے تو یہی چیز اِس کتابچے کی اشاعت کا محرّک بنی ہے۔

اُمّتِ مسلمہ کا وجود سراپا خیر ورحمت ہے، یہ اُمّت بھلائیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے کے لیے وجود میں آئی ہے، اگر یہ خیرِ اُمّت بھی جذبات کی رو میں بہہ جائے گی تو پھر عدل وقسط کے قیام کی توقع کس سے کی جاسکے گی؟

ضرورت ہے کہ ہم غیر مسلموں کے حقوق کے بارے میں واقفیت حاصل کریں، تاکہ آئندہ کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوسکے جس سے اسلام کے بارے میں غلط تاثر قائم ہو۔

زیرِ نظر کتابچہ اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے —— ان شاءاللہ اسے انگریزی اور ہندی میں بھی جلد ہی شائع کیا جائے گا۔

ناشر

باب ۱

غیر مُسلم رعایا کی اقسام

اسلامی قانون اپنی غیر مسلم رعایا کو تین اقسام پر تقسیم کرتا ہے :-
ایک وہ جو کسی صلح نامے یا معاہدے کے ذریعے سے اسلامی حکومت کے تحت آئے ہوں۔

دوسرے وہ جو لڑنے کے بعد شکست کھا کر مغلوب ہوئے ہوں۔
تیسرے وہ جو جنگ اور صلح دونوں کے سوا کسی اور صورت سے اسلامی ریاست میں شامل ہوئے ہوں۔
یہ تینوں اگرچہ ذمیوں کے عام حقوق میں یکساں شریک ہیں۔ لیکن پہلے دونوں گروہوں کے احکام میں تھوڑا سا فرق بھی ہے۔ اس لیے اہل الذمہ کے حقوق کی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے ہم اِن مخصوص گروہوں کے جدا جدا احکام بیان کریں گے۔

معاہدین

جو لوگ جنگ کے بغیر یا دورانِ جنگ میں اطاعت قبول کرنے پر راضی ہو جائیں اور حکومت اسلامی سے مخصوص شرائط طے کرلیں ان کے لیے اسلام کا قانون یہ ہے کہ ان کے ساتھ تمام معاملات اُن شرائطِ صلح کے تابع ہوں گے جو ان سے طے ہوئی ہوں۔ دشمن کو اطاعت پر آمادہ کرنے کے لیے چند فیاضانہ شرائط طے کرلینا

اور پھر جب وہ پوری طرح قابو میں آجائے تو اس کے ساتھ مختلف برتاؤ کرنا آج کل کی مہذب قوموں کے سیاسی معمولات میں سے ہے، مگر اسلام اس کو ناجائز بلکہ حرام اور گناہِ عظیم قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ جب کسی قوم کے ساتھ کچھ شرائط طے ہو جائیں (خواہ وہ مرغوب ہوں یا نہ ہوں) تو اس کے بعد ان شرائط سے یک سرِ مو تجاوز نہ کیا جائے۔ بلا لحاظ اس کے کہ فریقین کی اعتباری حیثیت اور طاقت و قوت (RELATIVE POSITION) میں کتنا ہی فرق آجائے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

لعلکم تقاتلون قوما فتظهرون علیهم فیتقونکم باموالهم دون انفسهم وابنائهم (وفی روایة فیصالحونکم علی صلح) فلا تصیبوا منهم فوق ذالك فانه لایصلح لکم۔[1]

اگر تم کسی قوم سے لڑو اور اس پر غالب آجاؤ اور وہ قوم اپنی اور اپنی اولاد کی جان بچانے کے لیے تم کو خراج دینا منظور کر لے (ایک دوسری حدیث میں ہے کہ تم سے صلح نامہ طے کر لے) تو پھر بعد میں اس مقررہ خراج سے ایک حبہ بھی زائد نہ لینا کیونکہ وہ تمہارے لیے ناجائز ہوگا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

الا من ظلم معاهداً او انتقصه او کلّفه فوق طاقته او اخذ منه شیئاً بغیر طیب نفس فانا حجیجه یوم القیامة۔[2]

خبردار! جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا یا

---

[1] ابوداؤد، کتاب الجہاد

[2] ابوداؤد، کتاب الجہاد

اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بار ڈالے گا، یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف وصول کرے گا، اس کے خلاف قیامت کے دن میں خود مستغیث بنوں گا۔

ان دونوں حدیثوں کے الفاظ عام ہیں اور ان سے یہ قاعدۂ کلیہ مستنبط ہوتا ہے کہ معاہد ذمیوں کے ساتھ صلح نامہ میں جو شرائط طے ہو جائیں ان میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ نہ ان پر خراج بڑھایا جا سکتا ہے، نہ ان کی زمینوں پر قبضہ کیا جا سکتا ہے، نہ ان کی عمارتیں چھینی جا سکتی ہیں، نہ ان پر سخت فوج داری قوانین نافذ کئے جا سکتے ہیں، نہ ان کے مذہب میں دخل دیا جا سکتا ہے، نہ ان کی عزت و آبرو پر حملہ کیا جا سکتا ہے، اور نہ کوئی ایسا فعل کیا جا سکتا ہے جو ظلم یا انتقاص، یا تکلیف مالا یطاق، یا اخذ بغیر طیب نفس کی حدود میں آتا ہو۔ انہی احکام کی بنا پر فقہائے اسلام نے صلحاً فتح ہونے والی قوموں کے متعلق کسی قسم کے قوانین مدون نہیں کئے ہیں اور صرف یہ عام قاعدہ وضع کر کے چھوڑ دیا ہے کہ ان کے ساتھ ہمارا معاملہ بالکل شرائطِ صلح کے مطابق ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں:۔

یوخذ منهم ما صولحوا علیه و یوفی لهم ولا یزاد علیهم[1]

ان سے وہی لیا جائے گا جس پر ان کے ساتھ صلح ہوئی ہے، ان کے حق میں صلح کی شرائط پوری کی جائیں گی، اور ان پر کچھ اضافہ نہ کیا جائے گا۔

مفتوحین

دوسری قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو آخر وقت تک مسلمانوں سے لڑتے رہے

---

[1] کتاب الخراج ص ۳۵۔

ہوں اور جنہوں نے اس وقت ہتھیار ڈالے ہوں جب اسلامی فوجیں ان کے استحکامات کو توڑ کر ان کی بستیوں میں فاتحانہ داخل ہو چکی ہوں ۔ اس قسم کے مفتوحین کو جب ذمّی بنایا جاتا ہے تو ان کو چند خاص حقوق دیے جاتے ہیں ۔ جن کی تفصیلات فقہی کتابوں میں موجود ہیں ۔ ذیل میں اُن احکام کا خلاصہ دیا جاتا ہے جن سے ذمّیوں کی اس جماعت کی آئینی حیثیّت واضح ہوتی ہے ۔

۱ جب امام ان سے جزیہ قبول کرلے تو وہ ہمیشہ کے لیے عقد ذمّہ قائم ہو جائے گا ، اور ان کی جان و مال کی حفاظت کرنا مسلمانوں پر فرض ہوگا ، کیونکہ قبولِ جزیہ کے ساتھ ہی عصمتِ نفس و مال ثابت ہو جاتی ہے[1] ۔ اس کے بعد امام کو یا مسلمانوں کو یہ حق باقی نہیں رہتا کہ ان کی املاک پر قبضہ کریں یا انہیں غلام بنالیں ۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبیدہؓ کو صاف لکھا تھا کہ :-

فاذا اخذت منهم الجزية فلا شيئ لك عليهم ولا سبيل[2]

جب تم ان سے جزیہ قبول کرلو تو پھر تم کو ان پر دست درازی کا کوئی حق باقی نہیں رہتا ۔

۲ ۔ عقد ذمّہ قائم ہو جانے کے بعد اپنی زمینوں کے مالک وہی ہوں گے ، ان کی ملکیت ان کے ورثاء کو منتقل ہوگی ، اور ان کو اپنے املاک میں بیع ، ہبہ ، رہن وغیرہ کے جملہ حقوق حاصل ہوں گے ۔ اسلامی حکومت کو انہیں بے دخل کرنے کا حق نہ ہوگا[3]

---

[1] بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۱۱

[2] کتاب الخراج ص ۸۲

[3] فتح القدیر ج ۴ ص ۳۵۹

۳- جزیہ کی مقدار ان کی مالی حالت کے لحاظ سے مقرر کی جائے گی۔ جو مال دار ہیں ان سے زیادہ جو متوسط الحال ہیں ان سے کم، اور جو غریب ہیں ان سے بہت کم لیا جائے گا۔ اور جو کوئی ذریعۂ آمدنی نہیں رکھتے، یا جن کی آمدنی کا انحصار دوسروں کی بخشش پر ہے، ان کو جزیہ معاف کر دیا جائے گا۔ اگرچہ جزیہ کے لیے کوئی خاص رقم مقرر نہیں ہے، لیکن اس کی تعیین میں یہ امر مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ ایسی رقم مقرر کی جائے جس کا ادا کرنا ان کے لیے آسان ہو۔ حضرت عمرؓ نے مال داروں پر ایک روپیہ ماہانہ، متوسط الحال لوگوں پر آٹھ آنہ مہینہ اور غریب محنت پیشہ لوگوں پر چار آنہ مہینہ جزیہ مقرر کیا تھا۔[1]

۴- جزیہ صرف ان لوگوں پر لگایا جائے گا جو اہلِ قتال (COMBATANTS) ہیں۔ غیر اہلِ قتال، مثلاً بچے، عورتیں، دیوانے، اندھے، اپاہج، عبادت گاہوں کے خادم، راہب، سنیاسی، ازکار رفتہ بوڑھے، ایسے بیمار جن کی بیماری سال کے ایک بڑے حصّہ تک ممتد ہو جائے اور لونڈی، غلام وغیرہ جزیہ سے مستثنیٰ ہیں۔[2]

۵- بزورِ شمشیر فتح ہونے والے شہر کے معابد پر مسلمانوں کو قبضہ کر لینے کا حق ہے۔ لیکن اس حق سے استفادہ نہ کرنا اور بطریقِ احسان ان کو علیٰ حالہ قائم رہنے دینا اولیٰ اور افضل ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جتنے ممالک فتح ہوئے ان میں کوئی معبد نہ توڑا گیا اور نہ اس سے کسی قسم کا تعرض کیا گیا۔ امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں:۔

ترکت علی حالھا ولم تھدم ولم یتعرض لھا۔[3]

---

[1] کتاب الخراج ص ۳۶ [2] بدائع ج ۷ ص ۱۱۱-۱۱۳، فتح القدیر ج ۴ ص ۳۷۲-۳۷۳، کتاب الخراج ص ۷۳۔ [3] کتاب الخراج ص ۸۳۔

ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا ، نہ مسمار کیا گیا اور نہ ان سے کسی قسم کا تعرض کیا گیا۔

قدیم معابد کو مسمار کرنا بہر حال ناجائز ہے۔[1]

[1] بدائع جلد ۷ ص ۱۱۴۔

باب۲
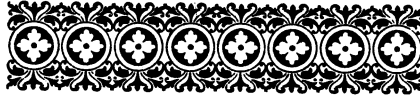
ذمیّوں کے عام حقوق

اب ہم ذمیّوں کے وہ حقوق بیان کریں گے جن میں تینوں اقسام کے اہل الذمّہ شریک ہیں۔

حفاظتِ جان

ذمّی کے خون کی قیمت مسلمان کے خون کے برابر ہے۔ اگر کوئی مسلمان ذمّی کو قتل کردے گا تو اس کا قصاص اسی طرح لیا جائے گا جس طرح مسلمان کو قتل کرنے کی صورت میں لیا جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کیا تو آپؐ نے اس کے قتل کا حکم دیا اور فرمایا کہ:۔

انا احق من وفیٰ بذمتہ [1]

اپنے ذمہ کو وفا کرنے کا سب سے زیادہ حق دار میں ہوں۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قبیلۂ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک ذمّی کو قتل کردیا۔ اس پر آپ نے حکم دیا کہ قاتل کو مقتول کے حوالہ کیا جائے۔

---

[1] عنایہ شرح ہدایہ ج ۸ ص ۲۵۶، دارقطنی نے یہی حدیث ابن عمرؓ کے حوالہ سے نقل کی ہے اور اس میں "انا اکرم من وفیٰ بذمتہ" آیا ہے۔

چنانچہ وہ مقتول کے وارثوں کو دے دیا گیا اور انھوں نے اسے قتل کر دیا۔[۱]

حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ میں خود عبید اللہ بن عمر رضؓ کے قتل کا فتویٰ دے دیا گیا تھا کیونکہ انھوں نے ہرمزان اور ابو لؤلؤ کی بیٹی کو اس شبہ میں قتل کر دیا تھا کہ شاید وہ حضرت عمر رضؓ کے قتل کی سازش میں شریک تھے۔

حضرت علی رضؓ کے زمانہ میں ایک مسلمان ایک ذمی کے قتل میں ماخوذ ہوا۔ ثبوت مکمل ہونے کے بعد آپ نے قصاص کا حکم دے دیا۔ مقتول کے بھائی نے آکر عرض کیا "میں نے خون معاف کیا" مگر آپ مطمئن نہ ہوتے اور فرمایا:۔

لعلہم فزعوک اوھددوک

شاید ان لوگوں نے تجھے ڈرایا دھمکایا ہے۔

اس نے جواب دیا کہ "نہیں۔ مجھے خون بہا مل چکا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے قتل سے میرا بھائی واپس نہیں آجائے گا۔" تب آپ نے قاتل کو رہا کیا اور فرمایا کہ:۔

من کان لہ ذمتنا فدمہ کدمنا ودیتہ کدیتنا۔[۲]

جو کوئی ہمارا ذمی ہو اس کا خون ہمارے خون کی طرح اور اس کی دیت ہماری دیت کی طرح ہے۔

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت علی رضؓ نے فرمایا:۔

انما قبلوا عقد الذمۃ لتکون اموالہم کاموالنا و دماؤھم کدمائنا۔

---

[۱] برہان شرح مواہب الرحمٰن ج ۳ ص ۲۸۷۔

[۲] برہان جلد ۲ ص ۲۸۲۔

انھوں نے عقدِ ذمہ قبول ہی اس لیے کیا ہے کہ ان کے مال ہمارے مال کی طرح اور ان کے خون ہمارے خون کی طرح ہو جائیں۔

اسی بنا پر فقہاء نے یہ جزیہ نکالا ہے کہ اگر مسلمان کسی ذمّی کو بلا ارادہ قتل کرے تو اس کی دیت بھی وہی ہوگی جو مسلمان کو خطاءً قتل کرنے سے لازم آتی ہے۔[۱]

فوجداری قانون

تعزیرات کا قانون ذمّی اور مسلمان کے لیے یکساں ہے اور اس میں دونوں کا درجہ مساوی ہے۔ جرائم کی جو سزا مسلمان کو دی جائے گی وہی ذمی کو بھی دی جائے گی۔ ذمی کا مال مسلمان چُرا لے یا مسلمان کا مال ذمی چُرا لے، دونوں صورتوں میں سارق کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ذمی کسی مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگائے یا مسلمان ایسا کرے، دونوں صورتوں میں ایک ہی حدِّ قذف جاری ہوگی۔ اسی طرح زنا کی سزا بھی ذمّی اور مسلمان کے لیے یکساں ہے۔ البتہ شراب کے معاملہ میں ذمیّوں کے لیے استثناء ہے۔[۲]

دیوانی قانون

دیوانی قانون بھی ذمّی اور مسلمان کے لیے یکساں ہے اور دونوں کے درمیان

---

[۱] درمختار ج ۳ ص ۲۰۳

[۲] کتاب الخراج ص ۲۰۸-۲۰۹، المبسوط ج ۹ ص ۵۷-۵۸، امام مالکؒ کے نزدیک ذمّی کے لیے شراب کی طرح زنا کے معاملہ میں بھی استثناء ہے۔ وہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ سے استدلال کرتے ہیں کہ ذمی اگر زنا کرے تو اس کا معاملہ اس کے اہل ملت پر چھوڑ دیا جائے (یعنی اس کے پرسنل لاء کے مطابق)،

کامل مساوات ہے۔ حضرت علیؓ کے ارشاد اموالہم کاموالنا کے معنی ہی یہی ہیں کہ ان کے مال کی ویسی ہی حفاظت کی جائے گی جیسی مسلمان کے مال کی ہوتی ہے اور دیوانی حقوق ہمارے اور ان کے برابر ہوں گے۔ اس مساوات کا طبعی لازمہ یہ ہے کہ دیوانی قانون کی رُو سے جتنی پابندیاں مسلمان پر عاید ہوتی ہیں وہی سب ذمّی پر بھی عاید ہوں۔

تجارت کے جو طریقے ہمارے لیے ممنوع ہیں وہی ان کے لیے بھی ہیں۔ سُود جس طرح ہمارے لیے حرام ہے اسی طرح ان کے لیے بھی ہے۔ البتہ ذمّیوں کے لیے صرف شراب اور سؤر کا استثنار ہے۔ وہ شراب بنانے، پینے اور بیچنے کا حق رکھتے ہیں اور انھیں سؤر پالنے، کھانے اور فروخت کرنے کے بھی حقوق حاصل ہیں[1] اگر کوئی مسلمان کسی ذمّی کی شراب یا اس کے سؤر کو تلف کر دے تو اس پر تاوان لازم آئے گا۔ درالمختار میں ہے:۔

ویضمن المسلم قیمة خمرہ وخنزیرہ اذا اتلفهٗ۔[2]

مسلمان اس کی شراب اور اس کے سؤر کی قیمت ادا کرے گا اگر وہ اسے تلف کر دے۔

تحفّظِ عزّت

ذمّی کو زبان یا ہاتھ پاؤں سے تکلیف پہنچانا، اس کو گالی دینا، مارنا پیٹنا، یا اس کی غیبت کرنا اسی طرح ناجائز ہے جس طرح مسلمان کے حق میں یہ افعال

کیا جائے۔ [1] المبسوط ج ۱۳ ص ۳۷-۳۸۔

[2] درالمختار ج ۳ ص ۲۷۳۔

ناجائز ہیں۔ درالمختار میں ہے:۔

ویجب کف الاذیٰ عنہ وتحرم غیبتہ کالمسلم۔ ۱؎

اس کو تکلیف دینے سے باز رہنا واجب ہے اور اس کی غیبت اسی طرح حرام ہے جیسی مسلم کی غیبت حرام ہے۔

ذمّہ کی پائداری

عقد ذمّہ مسلمانوں کی جانب ابدی لزوم رکھتا ہے، یعنی وہ اسے باندھنے کے بعد پھر اسے توڑ دینے کے مختار نہیں ہیں۔ لیکن دوسری جانب ذمیوں کو اختیار ہے کہ جب تک چاہیں اس پر قائم رہیں اور جب چاہیں توڑ دیں۔ بدائع میں ہے:۔

واما صفۃ العقد فہو لازم فی حقنا لایملک المسلمون نقضہ بحال من الاحوال واما فی حقہم فغیر لازم۔ ۲؎

عقد ذمہ ہمارے حق میں تو لازم ہے، یعنی ایک مرتبہ ذمّی بنا لینے کے بعد ہم اس ذمّہ کو کسی حال میں توڑ نہیں سکتے۔ لیکن ان کے لیے یہ لازم نہیں ہے۔ (یعنی اگر وہ ہمارے ذمّہ سے خارج ہونا چاہیں تو ہو سکتے ہیں)۔

ذمّی خواہ کیسے ہی بڑے جرم کا ارتکاب کرے، اس کا ذمہ نہیں ٹوٹتا۔ حتیٰ کہ جزیہ بند کر دینا، مسلمان کو قتل کرنا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنا یا کسی مسلمان عورت کی آبرو ریزی کرنا بھی اس کے حق میں ناقضِ ذمّہ نہیں ہے۔ ان افعال پر اسے مجرم کی حیثیت سے سزا دی جائے گی، لیکن باغی قرار دے کر ذمّہ

۱؎ درالمختار جلد ۳ ص ۲۷۴-۲۷۳۔

۲؎ درالمختار ج ۷ ص ۱۱۲۔

سے خارج نہیں کر دیا جائے گا۔ البتہ صرف دو صورتیں ایسی ہیں جن میں ایک ذمّی خارج از ذمّہ ہو جاتا ہے۔ ایک یہ کہ دار السّلام کو چھوڑ کر دشمنوں سے جا ملے۔ دوسرے یہ کہ حکومتِ اسلامی کے خلاف صریح بغاوت کر کے فتنہ و فساد برپا کرے [1]

شخصی معاملات

ذمّیوں کے شخصی معاملات ان کی اپنی ملّت کے قانون (PERSONAL LAW) کے مطابق طے کیے جائیں گے۔ اسلامی قانون ان پر نافذ نہیں کیا جائے گا۔ ہمارے لیے شخصی معاملات میں جو کچھ ناجائز ہے، وہ اگر ان کے مذہبی و قومی قانون میں جائز ہو تو اسلامی عدالت ان کے قانون ہی کے مطابق فیصلہ کرے گی۔ مثلاً بغیر گواہوں کے نکاح، یا بلا مہر کے نکاح، یا زمانۂ عدت کے اندر نکاح ثانی، یا محرمات کے ساتھ نکاح اگر وہ جائز رکھتے ہوں تو ان کے لیے یہ سب افعال جائز رکھے جائیں گے۔ خلفاء راشدین اور ان کے بعد کے تمام ادوار میں اسلامی حکومتوں کا یہی پر عمل رہا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس معاملہ میں حضرت حسن بصری سے فتویٰ طلب کیا تھا کہ:۔

ما بال الخلفاء الراشدین ترکوا اھل الذمۃ وما ھم علیہ من نکاح المحارم واقتناء الخمور والخنازیر؟

کیا بات ہے کہ خلفائے راشدین نے ذمّیوں کو محرمات کے ساتھ نکاح اور شراب اور سؤر کے معاملہ میں آزاد چھوڑ دیا؟

جواب میں حضرت حسنؒ نے لکھا:۔

---

[1] بدائع ج ۷، ص ۱۱۳، فتح القدیر ج ۴ ص ۳۸۱-۸۲ -

انما بذلوا الجزیۃ لیترکوا وما یعتقدون وانما انت متبع ولا مبتدع والسلام۔

انھوں نے جزیہ دینا اسی لیے تو قبول کیا ہے کہ انہیں ان کے عقیدے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی دی جائے۔ آپ کا کام پچھلے طریقہ کی پیروی کرنا ہے نہ کہ کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنا۔

البتہ اگر کسی مقدمہ میں فریقین خود اسلامی عدالت سے درخواست کریں کہ شریعت اسلام کے مطابق ان کا فیصلہ کیا جائے، تو عدالت اُن پر شریعت نافذ کرے گی۔ نیز اگر شخصی قانون سے تعلق رکھنے والے کسی معاملہ میں ایک فریق مسلمان ہو تو پھر فیصلہ اسلامی شریعت کے مطابق ہوگا۔ مثلاً کوئی عیسائی عورت کسی مسلمان کے نکاح میں تھی اور اس کا شوہر مرگیا، تو اس عورت کو شریعت کے مطابق پوری عدتِ وفات گزارنی ہوگی۔ عدت کے اندر وہ نکاح کرے گی تو ایسا نکاح باطل ہوگا۔[1]

مذہبی مراسم

مذہبی مراسم اور قومی شعائر کو پبلک میں اعلان و اظہار کے ساتھ ادا کرنے کے متعلق اسلامی قانون یہ ہے کہ اہل الذمّہ خود اپنی بستیوں میں تو ان کو پُوری آزادی کے ساتھ کرسکیں گے۔ البتہ خالص اسلامی آبادیوں میں حکومتِ اسلامی کو اختیار ہوگا کہ انہیں اس کی آزادی دے یا ان پر کسی قسم کی پابندیاں عاید کردے۔[2] بدائع میں ہے :۔

---

[1] المبسوط ج ۵ ص ۳۸ - ۴۱ -

[2] خالص اسلامی آبادیوں سے مراد وہ مقامات ہیں جو اصطلاحِ شرع میں "امصار المسلمین"

لایمنعون من اظہار شیئ مما ذکرنا من بیع الخمر والخنزیر والصلیب وضرب الناقوس فی قریۃ اوموضع لیس من امصار المسلمین ولوکان فیہ عدد کثیر من اھل الاسلام وانما یکرہ ذٰلک فی امصار المسلمین وھی التی یقام فیہا الجمع والاعیاد والحدود .... واما اظہار فسق یعتقدون حرمۃ کالزنا وسائر الفواحش التی حرام فی دینہم فانہم یمنعون من ذالک سواء کانوا فی امصار المسلمین او فی امصارھم۔[1]

جو بستیاں امصار المسلمین میں سے نہیں ہیں ان میں ذمیوں کو شراب وخنزیر بیچنے اور صلیب نکالنے اور ناقوس بجانے سے نہیں روکا جائے گا خواہ وہاں مسلمانوں کی کتنی ہی کثیر تعداد آباد ہو۔ البتہ یہ افعال امصار مسلمین میں ناپسندیدہ ہیں یعنی ان شہروں میں جنہیں جمعہ وعیدین اور اقامتِ حدود کے لیے مخصوص کیا گیا ہو. .... رہا وہ فسق جس کی حرمت کے خود وہ بھی قائل ہیں مثلاً زنا اور دوسرے تمام فواحش جو اُن کے دین میں بھی حرام ہیں، تو اس کے علانیہ ارتکاب سے ان کو ہر حال میں روکا جائے گا خواہ وہ امصارِ مسلمین میں ہوں یا خود اپنے امصار میں۔

لیکن امصارِ مسلمین میں بھی ان کو صرف صلیبوں اور مورتیوں کے جلوس نکالنے اور

کہلاتے ہیں۔ اس لفظ کا اطلاق صرف اُن مقامات پر ہوتا ہے جن کی زمین مسلمانوں کی ملکیت ہو، اور جن کو مسلمانوں نے اظہارِ شعائرِ اسلام کے لیے مخصوص کر لیا ہو۔

[1] بدائع ج ۷، ص ۱۱۳۔

علانیہ ناقوس بجاتے ہوئے بازاروں میں نکلنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ ورنہ اپنے قدیم معابد کے اندر رہ کر وہ تمام شعائر کا اظہار کر سکتے ہیں۔ حکومتِ اسلامیہ اس میں دخل نہ دے گی[1]

عبادت گاہیں

امصارِ مسلمین میں ذمیوں کے جو قدیم معابد ہوں ان سے تعرض نہیں کیا جاسکتا۔ اگر وہ ٹوٹ جائیں تو انہیں اسی جگہ دوبارہ بنا لینے کا حق ہے۔ لیکن نئے معابد بنانے کا حق نہیں ہے[2] رہے وہ مقامات جو امصارِ مسلمین نہیں ہیں تو ان میں ذمیوں کو نئے معابد بنانے کی بھی عام اجازت ہے۔ اسی طرح جو مقامات اب "مصر" نہ رہے ہوں، یعنی امام نے ان کو ترک کر کے وہاں اقامتِ جمعہ و اعیاد اور اقامتِ حدود کا سلسلہ بند کر دیا ہو، ان میں بھی ذمیوں کو نئے معابد کی تعمیر اور اپنے شعائر کے اظہار کا حق حاصل ہے[3]

ابن عباسؓ کا فتویٰ یہ ہے:-

اما مصر مصرته العرب فليس لهم ان يحدثوا فيه بناء بيعة ولا كنيسة ولا يضربوا فيه بناقوس ولا يظهروا فيه خمراً ولا يتخذوا فيه خنزيراً وكل مصر كانت العجم مصرته ففتحه الله على العرب فنزلوا على حكمهم فللعجم ما في

---

[1] شرح السیر الکبیر ج ۳ ص ۲۵۱۔

[2] بدائع جلد ۷ ص ۱۱۴، شرح السیر الکبیر ج ۳ ص ۲۵۱۔

[3] بدائع جلد ۷ ص ۱۱۴، شرح السیر الکبیر ج ۳ ص ۲۵۷۔

عہدھم وعلی العرب ان یوفوا لھم بذالک۔ [1]

جن شہروں کو مسلمانوں نے آباد کیا ہے ان میں ذمیوں کو یہ حق نہیں ہے کہ نئے معابد اور کنائس تعمیر کریں یا ناقوس بجائیں یا علانیہ شراب اور سؤر کا گوشت بیچیں۔ باقی رہے وہ شہر جو عجمیوں کے آباد کیے ہوئے ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح کیا اور انھوں نے مسلمانوں کے حکم کی اطاعت قبول کرلی تو عجم کے لیے وہی حقوق ہیں جو اُن کے معاہدہ میں طے ہوجائیں اور مسلمانوں پر ان کا ادا کرنا لازم ہے۔

جزیہ وخراج کی تحصیل میں رعایات

جزیہ وخراج کے معاملہ میں ذمیوں پر تشدد کرنا ممنوع ہے۔ ان کے ساتھ نرمی اور رفق کی تاکید کی گئی ہے اور ان پر ایسا بار ڈالنے سے منع کیا گیا ہے جسے اٹھانے کی ان میں قدرت نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ لایکلفوا فوق طاقتھم، جتنا مال دینا ان کی طاقت سے باہر ہو اس کے ادا کرنے کی انہیں تکلیف نہ دی جائے۔ [2]

جزیہ کے عوض ان کی املاک کا نیلام نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت علیؓ نے اپنے ایک عامل کو فرمان بھیجا تھا کہ لاتبیعن لھم فی خراجھم حماراً ولا بقرۃً ولا کسوۃ شیئاً ولا صنفاً، خراج میں ان کا گدھا، ان کی گائے، ان کے کپڑے نہ بیچنا۔ [3] ایک اور موقع پر اپنے عامل کو بھیجتے وقت حضرت علیؓ نے فرمایا:-

---

[1] کتاب الخراج ص ۸۸۔

[2] کتاب الخراج ص ۸، ۸۲۔

[3] فتح البیان ج ۴ ص ۹۳۔

ان کے جاڑے گرمی کے کپڑے اور ان کے کھانے کا سامان اور ان کے جانور جن سے وہ کھیتی باڑی کرتے ہیں، خراج وصول کرنے کی خاطر ہرگز نہ بیچنا، نہ کسی کو درہم وصول کرنے کے لیے کوڑے مارنا، نہ کسی کو کھڑا رکھنے کی سزا دینا، نہ خراج کے عوض کسی چیز کا نیلام کرنا۔ کیونکہ ہم جو ان کے حاکم بنائے گئے ہیں تو ہمارا کام نرمی سے وصول کرنا ہے۔ اگر تم نے میرے حکم کے خلاف کیا تو اللہ میرے بجائے تم کو پکڑے گا اور اگر مجھے تمہاری خلاف ورزی کی خبر پہنچی تو میں تمہیں معزول کر دوں گا۔[1]

جزیہ کی تحصیل میں ان پر ہر قسم کی سختی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے گورنر حضرت ابو عبیدہؓ کو جو فرمان لکھا تھا اس میں منجملہ اور احکام کے ایک یہ بھی تھا کہ:۔

وامنع المسلمین من ظلمہم والاضرار بہم واکل اموالہم الا بحلہا۔[2]

مسلمانوں کو ان پر ظلم کرنے، اور انھیں ستانے اور ناجائز طریقہ سے ان کے مال کھانے سے منع کرو۔

شام کے سفر میں حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ان کے عامل جزیہ وصول کرنے کے لیے ذمیوں کو سزا دے رہے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ان کو تکلیف نہ دو، اگر تم انہیں عذاب دو گے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے گا۔ لا تعذب الناس فان الذین یعذبون الناس فی الدنیا یعذبہم اللہ یوم القیامۃ۔[3]

---

[1] کتاب الخراج ص ۹۔
[2] کتاب الخراج ص ۸۶۔
[3] کتاب الخراج ص ۷۱۔

ہشام بن حکم نے ایک سرکاری افسر کو دیکھا کہ وہ ایک قبطی کو جزیہ وصول کرنے کے لیے دھوپ میں کھڑا کر رہا ہے۔ اس پر انھوں نے ملامت کی اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ :-

ان اللہ عز وجل یعذب الذین یعذبون الناس فی الدنیا۔[1]

اللہ عزوجل اُن لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔

فقہاءِ اسلام نے نادہندوں کے حق میں صرف اتنی اجازت دی ہے کہ انہیں تادیباً قید بے مشقت کی سزا دی جا سکتی ہے۔ امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں ولکن یرفق بہم ویحسبون حتی یؤدوا ما علیہم۔[2]

جو ذمّی محتاج اور فقیر ہو جائیں انہیں صرف جزیہ سے معاف ہی نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کے لیے اسلامی خزانے سے وظائف بھی مقرر کیے جائیں گے۔ حضرت خالدؓ نے اہلِ حیرہ کو جو امان نامہ لکھ کر دیا تھا اس میں وہ لکھتے ہیں :-

وجعلت لہم ایما شیخ ضعف عن العمل او اصابتہ آفة من الآفات او کان غنیا فافتقر وصار اہل دینہ یتصدقون علیہ طرحت جزیتہ وعیل من بیت مال المسلمین ہو وعیالہ۔[3]

میں نے ان کے لیے یہ حق بھی رکھا ہے کہ جو شخص بڑھاپے کے سبب از کار رفتہ ہو جائے یا اس پر کوئی آفت نازل ہو جائے، یا وہ پہلے مال دار تھا پھر فقیر ہو گیا یہاں تک کہ اس کے ہم مذہب لوگ اس کو صدقہ و خیرات دینے لگے، تو اس

---

[1] ابو داؤد کتاب الخراج باب الفئی والامارہ۔

[2] کتاب الخراج ص ۷۰۔

[3] کتاب الخراج ص ۸۵۔

کا جزیہ معاف کر دیا جائے اور اسے اور اس کے بال بچوں کو مسلمانوں کے بیت المال سے مدد دی جائے۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک ضعیف العمر آدمی کو بھیک مانگتے دیکھا اور اس سے اس ذلیل حرکت کا سبب دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ جزیہ ادا کرنے کے لیے بھیک مانگتا ہوں۔ اس پر آپ نے اس کا جزیہ معاف کر دیا اور اس کے لیے وظیفہ مقرر کیا اور اپنے افسر خزانہ کو لکھا:۔

"خدا کی قسم یہ ہرگز انصاف نہیں ہے کہ ہم اس کی جوانی میں اس سے فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں اس کو رسوا کریں۔"[1]

دمشق کے سفر میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے معذور ذمیوں کے لیے امدادی وظائف مقرر کرنے کے احکام جاری کیے تھے۔[2]

اگر کوئی ذمی مر جائے اور اس کے حساب میں جزیہ کا بقایا واجب الادا ہو تو وہ اس کے ترکہ سے وصول نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے وارثوں پر اس کا بار ڈالا جائے گا۔ امام ابو یوسف رح لکھتے ہیں:۔

ان وجبت علیہ الجزیۃ فمات قبل ان توخذ منہ اواخذ بعضھا وبقی البعض لم یوخذ بذالک ورثتہ ولم توخذ من ترکتہ۔[3]

اگر کسی ذمی پر جزیہ واجب ہو اور وہ اس کو ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو اس کے

---

[1] کتاب الخراج ص ۷۲، فتح القدیر ج ۲ ص ۳۷۳۔

[2] فتوح البلدان للبلاذری طبع یورپ ص ۱۲۹۔

[3] کتاب الخراج ص ۷۰، المبسوط ج ۱۰ ص ۸۱۔

ورثا سے وہ وصول نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے ترکہ سے لیا جائے گا۔

تجارتی ٹیکس

مسلمان تاجروں کی طرح ذمّی تاجروں کے اموالِ تجارت پر بھی ٹیکس لیا جائے گا۔ جب کہ ان کا راس المال ۲۰۰ درہم تک پہنچ جائے یا وہ ۲۰ مثقال سونے کے مالک ہو جائیں[1] اس میں شک نہیں کہ فقہاء نے ذمّی تاجر پر تجارتی محصول ۵ فیصدی لگایا تھا اور مسلمان تاجر پر ½ ۲ فیصدی، لیکن یہ فعل کسی نص پر مبنی نہ تھا بلکہ اجتہاد پر مبنی تھا اور دراصل وقتی مصالح اس کے مقتضی تھے۔ اس زمانہ میں مسلمان زیادہ تر ملک کی حفاظت میں مشغول تھے اور تمام تجارت ذمّیوں کے ہاتھ میں آگئی تھی۔ اسی لیے مسلمان تاجروں کی ہمّت افزائی اور ان کی تجارت کے تحفّظ کے لیے ان پر ٹیکس کم کر دیا گیا۔

فوجی خدمت سے استثناء

ذمّی فوجی خدمت سے مستثنیٰ ہیں اور دشمن سے ملک کی حفاظت کرنا تنہا مسلمانوں کے فرائض میں داخل کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک اصول پر جو ریاست قائم ہو اس کی حفاظت کے لیے وہی لوگ لڑ سکتے ہیں، اور انہی کو اس کے لیے لڑنا چاہیے جو اس اصول کو حق مانتے ہوں۔ پھر لڑائی میں اپنے اصول اور حدود کی پابندی بھی وہی کر سکتے ہیں۔ دوسرے لوگ اگر ریاست کی حفاظت کے لیے لڑیں گے تو محض

---

[1] کتاب الخراج ص ۷۰۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ آج بھی ٹیکس عائد کرنے کے لیے یہی نصاب رکھا جائے۔ یہ نصاب اُس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے تھا۔

کرایہ کے سپاہیوں (MERCENARIES) کی حیثیت سے لڑیں گے اور اسلام کے مقرر کیے ہوئے اخلاقی حدود کی پابندی نہ کر سکیں گے۔ اسی لیے اسلام نے ذمیوں کو فوجی خدمت سے مستثنیٰ کر کے ان پر صرف یہ فرض عاید کیا ہے کہ وہ ملکی حفاظت کے مصارف میں اپنا حصہ ادا کریں۔ جزیہ کی اصل حیثیت یہی ہے۔ وہ نہ صرف اطاعت کا نشان ہے بلکہ فوجی خدمت سے استثنار کا بدل اور ملکی حفاظت کا معاوضہ بھی ہے۔ چنانچہ جزیہ صرف قابلِ جنگ مردوں ہی پر لگایا جاتا ہے۔ اور اگر مسلمان کسی وقت ذمیوں کی حفاظت سے قاصر ہوں تو جزیہ واپس کر دیا جاتا ہے[1] جنگ یرموک کے موقع پر جب رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک زبردست فوج جمع کی اور مسلمانوں

---

[1] اس مسئلے پر مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو مبسوط ج ۱۰ ص ۷۹ - ۷۸ - ہدایہ کتاب السیر فصل فی کیفیۃ قسمۃ الغنائم وباب الجزیہ، فتح القدیر ج ۴ ص ۲۸ - ۳۲۷ وص ۷۰ - ۳۶۹ -

اگر کسی بیرونی حملہ کے موقع پر ملک کے غیر مسلم باشندے مدافعت کے لیے اپنی خدمات بطور خود پیش کریں تو ہم ان کی اس پیشکش کو قبول کر سکتے ہیں، لیکن اس صورت میں ان کا جزیہ ساقط کرنا ہوگا۔ یہاں یہ تصریح کر دینا بھی فائدے سے خالی نہ ہوگا کہ جزیہ کے نام سے غیر مسلموں کو جو وحشت ہوتی ہے وہ محض اس پروپیگنڈے کا نتیجہ ہے جو ایک مدت سے اسلام کے مخالفین کرتے رہے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں اس توحش کے لیے کوئی بنیاد نہیں ہے۔ جزیہ دراصل اس تحفظ کا معاوضہ ہے جو غیر مسلموں کو اسلامی حکومت کے تحت میسر آتا ہے۔ یہ معاوضہ صرف صاحب استطاعت اور بالغ مردوں سے لیا جاتا ہے۔ اسے اگر اسلام قبول نہ کرنے کا جرمانہ قرار دیا جائے تو پھر اُس زکوٰۃ کو کیا کہا جائے گا جو ہر صاحبِ استطاعت مسلمان مرد ہی سے نہیں بلکہ عورت سے بھی لی جاتی ہے اور جس کی شرح جزیہ کی شرح سے بہت زیادہ ہے۔ کیا وہ اسلام قبول کرنے کا جرمانہ ہے؟

کو شام کے تمام مفتوحہ علاقوں کو چھوڑ کر ایک مرکز پر اپنی طاقت سمیٹنی پڑی تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ، نے اپنے امراء کو لکھا کہ جو کچھ جزیہ و خراج تم نے ذمیوں سے وصول کیا ہے انہیں واپس کر دو اور ان سے کہو کہ "اب ہم تمہاری حفاظت سے قاصر ہیں، اس لیے ہم نے جو مال تمہاری حفاظت کے معاوضہ میں وصول کیا تھا اسے واپس کرتے ہیں[1]" اس حکم کے مطابق تمام امرائے فوج نے جمع شدہ رقوم واپس کر دیں۔ بلاذری اس موقع پر غیر مسلم رعایا کے جذبات کا حال لکھتا ہے کہ جب مسلمانوں نے حمص میں جزیہ کی رقم واپس کی تو وہاں کے باشندوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ "تمہاری حکومت اور انصاف پسندی ہم کو اُس ظلم و ستم سے زیادہ محبوب ہے جس میں ہم مبتلا تھے۔ اب ہم ہرقل کے عامل کو اپنے شہر میں ہرگز گھسنے نہ دیں گے تاوقتیکہ لڑ کر مغلوب نہ ہو جائیں[2]"

---

[1] کتاب الخراج ص ۱۱۱۔

[2] فتوح البلدان طبع یورپ ص ۱۳۷۔

باب۳

فقہاءِ اسلام کی حمایت

یہ ہیں اس قانون کی تفصیلات جو صدر اوّل میں غیر مسلم رعایا کے حقوق و فرائض سے متعلق بنایا گیا تھا۔ اب آگے بڑھنے سے پہلے ہم یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ خلفاءِ راشدین کے بعد بادشاہی دَور میں جب کبھی ذمّیوں کے ساتھ بے انصافی کی گئی تو وہ فقہاءِ اسلام ہی کا گروہ تھا جو آگے بڑھ کر ان کی حمایت کے لیے کھڑا ہو گیا اور متفق ہو کر ان کا پُشت پناہ بنا۔ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ ولید بن عبد الملک اُمَوی نے دمشق کے کنیسۂ یوحنّا کو زبردستی عیسائیوں سے چھین کر مسجد میں شامل کر لیا تھا۔ جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے اور عیسائیوں نے ان سے اس ظلم کی شکایت کی تو انھوں نے اپنے عامل کو لکھا کہ مسجد کا جتنا حصّہ گرجا کی زمین پر تعمیر کیا گیا ہے اسے منہدم کر کے عیسائیوں کے حوالہ کر دو۔[1]

ولید بن یزید نے رومی حملہ کے خوف سے قبرص کے ذمّی باشندوں کو جلا وطن کر کے شام میں آباد کیا۔ فقہائے اسلام اور عام مسلمان اس پر سخت ناراض ہوئے اور انھوں نے اس کو گناہ عظیم سمجھا۔ پھر جب یزید بن ولید نے انہیں دوبارہ قبرص میں لے جا کر آباد کر دیا تو اس کی عام طور پر تحسین کی گئی اور کہا گیا کہ

---

[1] فتوح البلدان مطبوعہ یورپ ص ۱۳۲۔

یہی انصاف کا تقاضا ہے۔ اسماعیل بن عیاش کا بیان ہے کہ :۔

فاستفظع ذالک المسلمون واستعظمه الفقهاء فلما ولی یزید بن ولید بن عبد الملک ردهم الی قبرص فاستحسن المسلمون ذلک من فعله ورأوه عدلاً۔ [1]

مسلمانوں نے اس کی اس حرکت سے بیزاری ظاہر کی اور فقہاء نے اس کو گناہ سمجھا۔ پھر جب یزید بن ولید خلیفہ ہوا اور اس نے ان کو قبرص کی طرف پھر لوٹا دیا تو مسلمانوں نے اس کو پسند کیا اور اسے عدل وانصاف سمجھا۔

بلاذری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جبلِ لبنان کے باشندوں میں سے ایک گروہ نے بغاوت کردی۔ اس پر صالح بن علی بن عبداللہ نے ان کی سرکوبی کے لیے ایک فوج بھیجی اور اس نے ان کے ہتھیار اٹھانے والے مردوں کو قتل کردیا اور باقی لوگوں میں سے ایک جماعت کو جلاوطن کر دیا اور ایک جماعت کو وہیں آباد رہنے دیا۔ امام اوزاعی اس زمانے میں زندہ تھے۔ انھوں نے صالح کو اس ظلم پر سخت تنبیہہ کی اور ایک طویل خط لکھا جس کے چند فقرے یہ ہیں :۔

" جبل لبنان کے اہلِ ذمّہ کی جلاوطنی کا حال تم کو معلوم ہے۔ ان میں بعض ایسے لوگ بھی تھے جنھوں نے بغاوت کرنے والوں کے ساتھ کوئی حصّہ نہیں لیا تھا۔ مگر باوجود اس کے تم نے کچھ کو قتل کیا اور کچھ لوگوں کو ان کی بستیوں کی طرف واپس بھیج دیا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ عام لوگوں کو بعض خاص لوگوں کے جرم کی سزا کیونکر دی جاسکتی ہے اور کس بنا پر ان کے گھروں اور ان کی جائدادوں سے انہیں بے دخل کیا جاسکتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۵۶۔

کہ لاتزر وازرۃ وزر اُخریٰ - اور یہ ایک واجب التعمیل حکم ہے - تمہارے لیے بہترین نصیحت یہ ہے کہ تم رسول اللہ کے اس ارشاد کو یاد رکھو کہ " جو کوئی کسی معاہد پر ظلم کرے گا اور اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بار ڈالے گا اس کے خلاف میں خود مدعی بنوں گا ۔" [۱]

یہ اور ایسی ہی بے شمار مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے اسلام نے ہمیشہ اہلِ ذمّہ کے حقوق کی حمایت کی ہے اور کبھی کسی امیر یا بادشاہ نے ان پر جبر و ظلم کیا بھی ہے تو جو لوگ اُس عہد میں اسلامی قانون کے پاسبان رہے ہیں وہ کبھی اس پر ملامت کرنے سے باز نہیں رہے ۔

[۱] فتوح البلدان ص ۱۶۹ -

باب ۴

زائد حقوق جو غیر مسلموں کو دیے جا سکتے ہیں

یہاں تک ہم نے اہل الذمہ کے ان حقوق کا ذکر کیا ہے جو شریعت میں ان کے لیے مقرر ہیں اور جنہیں لازماً ہر اسلامی دستور میں شامل ہونا چاہیے۔
اب ہم مختصر طور پر یہ بتائیں گے کہ موجودہ زمانہ میں ایک اسلامی ریاست اپنے غیر مسلم شہریوں کو اصولِ اسلام کے مطابق مزید کیا حقوق دے سکتی ہے۔

رئیسِ مملکت کا منصب

سب سے پہلے رئیسِ مملکت کے سوال کو لیجیے۔ اسلامی حکومت چونکہ ایک اصولی حکومت ہے اس لیے وہ ان فریب کاریوں سے کام نہیں لے سکتی جو بے دین قومی جمہوریتیں اقلیتوں کی رائے دہی کے معاملہ میں برتتی ہیں۔ اسلام میں رئیسِ حکومت کا منصب یہ ہے کہ وہ اصولِ اسلام کے مطابق ریاست کا نظام چلائے، لہٰذا جو لوگ سرے سے اصولِ اسلام کو مانتے ہی نہ ہوں وہ رئیسِ مملکت کا منصب بہر حال نہیں سنبھال سکتے۔

مجلسِ شوریٰ یا پارلیمنٹ

اس کے بعد ہمارے سامنے مجلسِ شوریٰ یا پارلیمنٹ کا مسئلہ آتا ہے۔

جہاں تک ٹھیٹھ اسلامی نظریہ کا تعلق ہے، اس کی رو سے تو مجلسِ شوریٰ میں بھی غیر مسلموں کی نمائندگی صحیح نہیں ہے۔ لیکن موجودہ زمانے کے حالات میں اس کے لیے گنجائش نکالی جاسکتی ہے بشرطیکہ ملک کے دستور میں اس بات کی واضح اور صریح ضمانت موجود ہو کہ۔

(ا) پارلیمنٹ قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون سازی کرنے کی مجاز نہ ہوگی اور ہر فیصلہ جو اس حد سے متجاوز ہو قانونی سند حاصل کرنے سے محروم رہے گا۔

(ب) ملک کے قانون کا اوّلین ماخذ قرآن و سنّت ہوں گے۔

(ج) قوانین کی آخری توثیق کا اختیار جس شخص کو حاصل ہوگا وہ لازماً مسلمان ہوگا۔

ایک شکل یہ بھی اختیار کی جاسکتی ہے کہ غیر مسلموں کو ملک کی پارلیمنٹ میں شامل کرنے کے بجائے ان کے لیے ایک الگ نمائندہ مجلس یا اسمبلی بنادی جائے تاکہ وہ اپنی اجتماعی ضروریات بھی اس کے ذریعہ سے پوری کریں اور ملکی انتظام کے معاملہ میں بھی اپنا نقطۂ نظر پیش کرسکیں۔ اس مجلس کی رُکنیت اور رائے دہی غیر مسلموں کے لیے مخصوص ہو اور اس میں ان کو اظہار رائے کی پوری آزادی دی جائے۔ اس مجلس کے ذریعہ سے :۔

۱۔ وہ اپنے شخصی معاملات کی حد تک قوانین تجویز کرنے اور سابق قوانین میں اصلاح و ترمیم کرنے کے مجاز ہوں گے، اور اس طرح کی تمام تجاویز رئیسِ حکومت کی منظوری سے قانون بن سکیں گی۔

۲۔ وہ حکومت کے نظم و نسق اور مجلسِ شوریٰ کے فیصلوں کے متعلق اپنی شکایات، اعتراضات، مشورے اور تجاویز پوری آزادی کے ساتھ پیش کرسکیں

گے اور حکومت انصاف کے ساتھ اس پر غور کرے گی۔

۳- وہ اپنے گروہ کے معاملات اور عام ملکی معاملات کے متعلق سوالات بھی کر سکیں گے، اور حکومت کا ایک نمائندہ ان کے جوابات دینے کے لیے موجود رہے گا۔

مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں سے کسی صورت کو بھی حالات و ضروریات کے لحاظ سے اختیار کیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک بلدیات اور مقامی مجالس (LOCAL-BODIES) کا تعلق ہے ان میں غیر مسلموں کو نمائندگی اور رائے دہی کے پورے حقوق دیے جا سکتے ہیں۔

آزادئ تحریر و تقریر وغیرہ

غیر مسلموں کو اس ریاست میں تحریر و تقریر اور رائے و ضمیر اور اجتماع کی وہی آزادی حاصل ہوگی جو خود مسلمانوں کو حاصل ہوگی، اور اس معاملہ میں جو قانونی پابندیاں مسلمانوں کے لیے ہوں گی وہی ان کے لیے بھی ہوں گی۔

قانون کی حدود میں رہتے ہوئے وہ حکومت پر، اس کے حکام پر اور خود رئیسِ حکومت پر آزادانہ تنقید کر سکیں گے۔

قانون کی حدود کے اندر غیر مسلموں کو بھی مذہبی بحث و مباحثہ کی ویسی ہی آزادی ہوگی جیسی مسلمانوں کو ہے۔

وہ اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنے میں بھی پوری طرح آزاد ہوں گے اور اگر ایک غیر اسلامی مذہب کا پیرو کسی دوسرے غیر اسلامی مذہب کو قبول کرلے تو حکومت کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ البتہ کوئی مسلمان اسلامی ریاست کے حدود میں رہتے ہوئے اپنا دین بدلنے کا مجاز نہ ہوگا۔ لیکن ارتداد کی صورت میں

مواخذہ جو کچھ بھی ہوگا خود مرتد سے ہوگا نہ کہ اُس غیر مسلم سے جس کا اثر قبول کر کے وہ مرتد ہوا ہے۔

انہیں اپنے ضمیر کے خلاف کوئی عقیدہ یا عمل اختیار کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا، اور اپنے ضمیر کے مطابق وہ ایسے سب کام کرنے کے مجاز ہوں گے جو قانونِ ملکی سے متصادم نہ ہوتے ہوں۔

تعلیم

انہیں نظامِ تعلیم تو وہی قبول کرنا ہوگا جو ریاست پورے ملک کے لیے بنائے گی، لیکن جہاں تک اسلام کی مذہبی تعلیم کا تعلق ہے، اس کے پڑھنے پر وہ مجبور نہ کیے جائیں گے۔ انہیں پورا حق ہوگا کہ ملکی درس گاہوں میں، یا خود اپنی مخصوص درس گاہوں میں، اپنے مذہب کی تعلیم کا مستقل انتظام کریں۔

ملازمتیں

چند محفوظ مناصب کے سوا وہ تمام ملازمتوں میں داخل ہونے کے حق دار ہوں گے اور اس معاملہ میں ان کے ساتھ کوئی تعصّب نہ برتا جائے گا۔ مسلمان اور غیر مسلم دونوں کے لیے اہلیّت کا ایک ہی معیار ہوگا اور اہل آدمیوں کو بلا امتیاز انتخاب کیا جائے گا۔

محفوظ مناصب سے مراد ایسے مناصب ہیں جو اسلام کے اصولی نظام میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان مناصب کی فہرست کافی غور و خوض کے بعد ماہرین کی ایک جماعت بنا سکتی ہے۔ ہم ایک قاعدۂ کلیّہ کے طور پر صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ جن خدمات کا تعلق پالیسیوں کی تشکیل اور محکموں کی

رہنمائی سے ہے وہ سب کلیدی اہمیّت رکھنے والی خدمات ہیں، اور ایک اصولی نظام میں ایسی خدمات صرف انہی لوگوں کو دی جاسکتی ہیں جو اس کے اصولوں پر اعتقاد رکھتے ہوں۔ ان خدمات کو مستثنیٰ کرنے کے بعد باقی تمام نظم ونسق میں بڑے سے بڑے عہدوں پر بھی اہل الذمّہ اپنی اہلیّت کے لحاظ سے مقرر کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً کوئی چیز ان میں سے کسی شخص کے اکاؤنٹنٹ جنرل، یا چیف انجینیر یا پوسٹ ماسٹر جنرل بنائے جانے میں مانع نہیں ہے۔

اسی طرح فوج میں بھی صرف جنگی خدمات محفوظ ملازمتوں میں شمار ہوں گی۔ باقی دوسرے فوجی شعبے جن کا تعلق براہِ راست حرب وضرب سے نہیں ہے، ذمیّوں کے لیے کھُلے ہوں گے۔

معاشی کاروبار اور پیشے

صنعت وحرفت، تجارت، زراعت اور دوسرے تمام پیشوں کے دروازے غیر مسلموں کے لیے بالکل کھلے رہیں گے۔ ان میں مسلمانوں کو ایسی کوئی رعایت حاصل نہ ہوگی جو غیر مسلموں کو نہ حاصل ہو، اور غیر مسلموں پر کوئی ایسی پابندی عائد نہ کی جاسکے گی جو مسلمانوں کے لیے نہ ہو۔ ہر شہری کو، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، معاشی میدان میں جدّوجہد کا مساویانہ حق ہوگا۔

غیر مسلموں کے لیے تحفّظ کی واحد صورت

آخر میں اس امر کی توضیح بھی ضروری ہے کہ ایک اسلامی حکومت

اپنے غیر مُسلم شہریوں کو جو حقوق بھی دے گی بلا اس لحاظ کے دے گی کہ کوئی ہمسایہ غیر مُسلم حکومت اپنی مسلمان رعایا کو کیا حقوق دیتی ہے، بلکہ کچھ دیتی بھی ہے یا نہیں۔ ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ مسلمان کافروں کو دیکھ دیکھ کر اپنا لائحۂ عمل بنائے، وہ انصاف کریں تو یہ بھی کرے، اور وہ ظلم کرنے لگیں تو یہ بھی ظلم پر اُتر آئے۔ ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے ایک قطعی اور واضح اصول کے پیرو ہیں اور ہمیں بہرحال اپنے حدود اختیار میں اپنے اصولوں پر ہی عمل کرنا ہے۔ جو ہم دیں گے نیک نیتی کے ساتھ دیں گے، صرف کاغذ پر ہی نہیں بلکہ زمین پر بھی دیں گے۔ اور اپنی لی ہوئی ذمہ داریوں کو انصاف اور سچائی کے ساتھ ادا کریں گے۔

اس کے بعد یہ بیان کرنے کی حاجت نہیں رہتی کہ پاکستان میں غیر مسلموں کے لیے تحفظ، امن اور خوش حالی کی اس سے بڑھ کر بلکہ درحقیقت اس کے سوا کوئی قابلِ اعتماد ضمانت نہیں ہو سکتی کہ یہاں ایک خالص اسلامی حکومت قائم ہو جائے۔ صرف اسی صورت میں ظلم اور جوابی ظلم کا وہ شیطانی چکر ٹوٹ سکتا ہے جو بدقسمتی سے برِعظیم ہند میں چل رہا ہے۔ صرف اسی صورت میں پاکستان بھی انصاف کا گھر بن سکتا ہے اور انڈین یونین کو بھی انصاف کا راستہ نظر آ سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ غیر مسلم ایک مدّت سے اسلام کی غلط تعبیریں سنتے اور دیکھتے چلے آ رہے ہیں، اس لیے وہ اسلامی حکومت کا نام سُن کر گھبراتے ہیں، اور ان میں سے بعض لوگ یہ شور مچانے لگتے ہیں کہ یہاں بھی انڈین یونین کی طرح بے دین جمہوریت قائم ہونی چاہیے۔ مگر ہم کو تعجب ہے کہ وہ خود ہی اصرار کر کے یہاں اُس چیز کا تجربہ کرنا چاہتے ہیں جس کا مزہ آج

انڈین یونین کے مسلمان چکھ رہے ہیں۔ کیا واقعی وہ کوئی خوشگوار حالت ہے جس کی تمنّا کی جاسکتی ہو؟ کیا اس کے بجائے ایک ایسے نظام کا تجربہ کرنا زیادہ بہتر نہ ہوگا جس کی بُنیاد خداترسی اور دیانت اور مستقل اصولوں کی پیروی پر ہو۔